اَمانتِ الٰہیہ

از جناب مولوی محمود بن عبدالرشید شہیدؒ دہلوی

انسان عالمِ ایجاد میں تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابھی اس کا پتلا تیار کر کے اس میں روح پھونکی تھی۔ اس کو عالمِ تخلیق میں لایا بھی نہ گیا تھا۔ یہ انسان بطنِ مادر و صلبِ پدر سے آگاہ بھی نہ تھا کہ خالقِ حقیقی نے اپنی امانت اس کے سامنے پیش کی اور فرمایا کہ اگر اس امانت کو اٹھالوگے اور اس کی حفاظت کروگے تو تم کو اچھا بدلہ دوں گا۔ اور اگر نافرمانی کروگے تو تم کو سزا بھی دی جائے گی۔ اور یہ بھی ساتھ ہی ساتھ بتادیا کہ آسمانوں، زمین، پہاڑوں نے اس امانت کے برداشت کرنے، اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ انسان نے اپنی فطری و قدرتی عطیہ جرأت و ہمت سے کام لیا اور آگے بڑھا اور یہ بارِ امانت، جس کو پتھر کی ہیئت و شکل میں قدرت نے روبرو کیا تھا۔ حرکت دی اور اپنی کوششوں کے بعد اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔

ابھی اس بار کو اٹھائے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس کو تکان محسوس ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس امانت کو واپس رکھدے کہ پردۂ غیب سے صدا آئی۔ ہشیار! یہ امانت کا اٹھانا اس کی حفاظت تیری شایانِ شان ہے اور یہ تیری اولاد کے کاندھوں پر تاقیامت رہے گی۔ انسان وہیں رک گیا۔ اور اس کو اٹھائے رکھا۔ اس کے بعد جنت سے نکلنے کا واقعہ پیش آیا۔ [1]

اس واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ ہم نے روبرو کیا امانت کو آسمانوں، زمین اور

---

[1] تفسیر روح المعانی۔

وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ پہاڑوں کے۔ پس انکار کیا سب نے کہ اس کو اٹھائیں
اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا اور ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو (یعنی امانت)
الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا انسان نے تحقیق وہ ناترس و نادان تھا تاکہ عذاب
لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ دے اللہ پاک منافق مردوں، منافقہ عورتوں اور مشرک
وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَیَتُوْبَ مردوں، مشرک عورتوں کو، اور رحمت کرے اللہ
اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ایماندار مردوں اور ایمان رکھنے والی عورتوں پر
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (پ ۲۲) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

امانت کے معنی پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ زمین و آسمان میں ذاتی خواہش کچھ نہیں یا ہے بھی تو وہی جس پر وہ قائم ہیں۔ آسمان کی خواہش حرکت کرنا۔ اور زمین کی خواہش ٹھہرنا۔ انسان میں بخلاف ان کے ذاتی خواہش موجود ہے اور حکم اس کے خلاف کا نام ہے تو اس پرائی چیز کا اپنے جی کے خلاف تھامنا بڑا زور چاہتا ہے، خصوصاً جبکہ منکر کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے کا قصور معاف کیا جائے۔ ایسی صورت میں بارِ امانت کا اٹھانا اپنی جان پر ترس نہ کھانا نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ بڑا ناترس و نادان ہے۔[1]

امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں۔ امانۃ سے مراد اطاعت اور وہ فرائض جن کو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کر دیا۔

حافظ عماد الدین نے تفسیر ابن کثیر میں، حضرت مجاہدؒ، سعید ابن جبیرؒ، ضحاکؒ، حسن بصریؒ وغیرہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ امانت سے مراد فرائض و حدود دین ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں بلکہ سب کا مقصد یہ ہے کہ امانت کا مطلب ذمہ داری و تکلیف ہے اور اوامر و نواہی کا ان کی شرطوں کے لحاظ سے قبول کرنا۔ شرط یہی کہ اگر ان کو قائم رکھا تو ثواب اور اگر انہی کو چھوڑ دیا تو عذاب۔ (تفسیر ابن کثیر)

---

[1] موضح القرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

انا عرضنا الامانۃ الخ نبہ الغزالی و	یعنی امام غزالیؒ اور صاحب تفسیر بیضاوی نے واضح
البیضاوی علی ان المراد بالامانۃ	کیا ہے کہ امانت سے مراد ذمہ داری کی تکلیف کا گلوبند
تقلد عہدۃ التکلیف بان	یا طوق گلے میں ڈال لینا اس لئے کہ آسمانوں زمین اور
تتعرض لخطر الثواب والعقاب	پہاڑوں نے نافرمانی کی۔ اور نافرمانی کا سبب
بالطاعۃ والمعصیۃ [51]	اطاعت میں ثواب اور نافرمانی میں سزا کا ہونا تھا۔

ان تمام اقوال و آراء کے پڑھنے کے بعد امانت کے صحیح معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ امانت احکام شرع یا شریعت کی پابندی کا نام ہے مگر کتاب احسن التقویم کے مصنف صاحب کا خیال ہے کہ

"بارِ امانت سے مراد معرفت ذات و صفاتِ حق ہے اور محبت و دردِ عشق و افراطِ محبت با ذاتِ حق مراد ہے۔ مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی نے جو اس بارِ امانت کو احکامِ شریعت سے تعبیر کیا ہے یہ ان کی تعبیر علماء راسخین متقدمین اور متاخرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہے۔ اور عقلِ سلیم اس تعبیر کو تسلیم نہیں کرتی۔ [52]

کتاب مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی سے تعصب یا تنقیص کا جذبہ یا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ یا تحقیقی جد و جہد سے دوری یا اکابر سلف کی آراء سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ذاتی شغف و انہماک طبیعت کے عکس کو اس طرح ظاہر کر دیا ورنہ مصنف صاحب احسن التقویم کی ذات گرامی سے یہ توقع ہرگز ہرگز نہ تھی۔

کتاب احسن التقویم میں آیۃ انا عرضنا الامانۃ الخ کو سمجھنے اور سمجھانے کی کافی کوشش کی گئی ہے اور مختلف قسم کے سوالات پیدا کئے گئے ہیں اور جوابات بھی دیکر مسئلہ کو حل کیا ہے مگر ہر جگہ عرفان و وجدان و عرفا کے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد بھی یہ مسئلہ تشنہ حل و کشف رہا ہے۔ اس لئے پوری طرح وضاحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

---

[51] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب سر التکلیف۔ [52] احسن التقویم ص ۸۳ از حضرت ہدایت علی صاحب نقشبندی مجددی جے پوری

کتاب مذکور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ معرفت کے حامل تھے اس لئے ان کو مخلوق پر فضیلت ہے جس کے ثبوت میں یہ آیت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت پر کسی دوسرے موقع و وقت پر بحث کی جائے گی۔ اس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے بدور البازغہ اور الخیر الکثیر میں تفصیل سے لکھا ہے۔ کتاب مذکور میں متعدد سوالات پیدا کئے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) انسان نے ضعیف ہونے کے باوجود اس بارِ امانت کو کیوں اٹھایا؟

(۲) بارِ امانت اٹھانے کے بعد پھر ظالم و جاہل کیوں کہا گیا؟

(۳) احکامِ شریعت یہاں کیونکر مراد لئے جا سکتے ہیں جبکہ شریعت کے قانون سے مستثنیٰ انسان بھی پائے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) ثم تعلم ان اللہ تعالیٰ قد اودع الانسان بحکمتہ الباھرۃ قوتین۔ قوۃ ملکیۃ تنشعب من فیض الروح المخصوصۃ وقوۃ بھیمیۃ تنشعب من النفس الحیوانیۃ المشترکۃ فیھا کل حیوان المتشبھۃ بالقوی القائمۃ بالروح الطبیعیۃ واستقلالھا بنفسھا واذعان الروح الانسانیۃ لھا وقبولھا الحکم منھا۔	پھر جان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ظاہرہ سے دو قوتیں انسان میں ودیعت کیں، قوتِ ملکیتہ جو مخصوص روح کے فیضان سے پھیلتی ہے۔ قوتِ بہیمیہ جو نفسِ حیوانی سے پھیلتی ہے۔ اس نفسِ حیوانی میں ہر حیوان جس کے قوی کا قیام بذریعہ روحِ طبعی ہے مشترک ہے۔ یہ قوت بہیمیہ اپنے ذاتی اعتبار سے مستقل ہے اس کو روح انسانی (جس سے قوت ملکینہ کا تعلق ہے) کا یقین ہے اور ساتھ ساتھ اس کے حکم کو قبول کرتی ہے۔
(۲) ثم تعلم ان بین القوتین تزاحما وتجاذباً فھذہ تجذب الی العلو دون تلک الی السفل	اس کے بعد جان کہ دونوں قوتوں کے آپس میں روک تھام ہے اور کشش بھی پس یہ (قوت ملکیہ) کھینچتی ہے بلندی (اعمالِ صالحہ و قربِ الٰہی) کی طرف بمقابلہ

فاذا بزرت البھیمیۃ وغلبت	دوسری (قوتِ بہیمیہ) کے یہ برائیوں اور قبائح کی طرف
اٰثارھا کمنت الملکیۃ وکذا	جب قوتِ بہیمیۃ کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے آثار کا
العکس۔	غلبہ تو قوتِ ملکیتہ ماند پڑجاتی ہے۔ ایسے ہی برعکس۔

انسان کی اس فطری قابلیت و اطاعتِ الٰہی کی استعداد اور معائب و نتائج کی جانب رغبت، اور ان سے بچنے کی قوت و لیاقت کے سمجھ لینے کے بعد یہ بھی سمجھنا مناسب ہوگا کہ ان فطری عقول کی ودیعت کو تسلیم کرلینا چاہئے۔ جن کی بدولت انسان ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے دینی و دنیاوی امور میں ان سے کام لیتا ہے۔

عقلِ معاد۔ اس کی رہبری میں انسان اعمال صالحہ، قرب و رضاء الٰہی، تزکیہ نفس، اخلاقِ شریفہ سے متصف ہونے کو اپنے لئے باعثِ عزت و فخر سمجھتا ہے جس کا تعلق قوتِ ملکیہ سے ماننا بدیہی ہے یہیں پر نفسانی خواہشات وجنسی مرغوبات کا مزاحم بننا اور مقابلہ میں آنا انسانی اعمال میں کھلم کھلا نظر آتا ہے۔

عقلِ معاش۔ انسانی جہد و کوشش کا وہ منظر جو حصولِ دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی فطری ودیعت کا بین ثبوت ہے اور انسانی ضمیر کا انتباہ اور غلط راستہ، گمراہ طریقہ سے روک تھام قوت ملکیہ کی مزاحمت کا نتیجہ تقریباً ہر سمجھدار محسوس کرلیتا ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ انہی قوٰی کی موجودگی نے افعالِ انسانی کو خود انسان کے اختیاری کہنے پر آمادہ کردیا۔ چنانچہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

للعباد افعال اختیاریۃ یثابون	بندوں کے افعال اختیاری ہیں جن کا ثواب دیا جاتا
بھا ولیاقبون علیھا۔ [1]	ہے اور ان پر گرفت کی جاتی، سزا دی جاتی ہے۔

ہاں ایک یہ مرحلہ بھی پیشِ نظر رکھ لیجئے کہ ارواح نے قبل اس کے وہ جسد عنصری میں آئیں۔ اپنے رب کے سامنے اقرار کیا تھا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے اور یہ الستُ بربکم کا جواب بلیٰ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ازلی طور پر اپنے رب کا علم و معرفت حاصل تھی اور یہ چیز ان کی خلقت میں

---

[1] تکمیل الایمان فارسی۔

شامل کردی گئی تھی کہ وہ اپنے خالق ورب تعالیٰ کو پہچانیں۔

اب نورِ عظیم کلام ربِ حکیم کی اس آیت کے ہر ہر لفظ پر غور کیجئے۔

اِنَّا عَرَضْنَا۔ ہم نے پیش کیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے۔ فطرت سے علیحدہ۔ ودیعت نہیں کی جارہی۔ قول وقرار نہیں۔

الْاَمَانَۃَ۔ حفاظت کے قابل ہے۔ خیانت میں نقصان ظاہر۔ جسم وروح انسانی سے بالکل علیحدہ کوئی چیز، بہرکیف بوجھ ہو سکتا ہے۔ یا ذمہ داری جیسے امین ذمہ دار کو بھی کہتے ہیں حفاظت خیانت کا ذمہ دار۔

عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ۔ سب موجودات پر، معلوم ہوا کہ تمام نظام موجودات پر فیضِ باری ہورہا ہے یہی عدل وانصاف کا اقتضا ہے اور رحمتِ عامہ کا ثبوت تاکہ کل کسی کو شکایت وحکایت کا موقع نہ ملے اور وہ انسان جو اکثر شئی جدلا اکثر باتوں میں جھگڑالو ہے، یہ نہ کہے کہ میں ہی رہ گیا تھا تمام ذمہ داریوں کے لئے۔

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا۔ بس انکار کیا انھوں نے کہ اٹھائیں اس کو باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ ہماری استعداد وقابلیت کے لائق نہیں اور یہ عرض انکار ہی کہلاسکتی ہے اللہ علیم یہ جانتا تھا کہ ان میں استعداد وصلاحیت نہیں۔ اس لئے بازپرس نہ ہوئی۔ یہاں امانت کو پیش کیا جارہا ہے۔ اور جو چیز بطور امانت پیش کی جاتی ہے۔ امین اس کی قبولیت میں عجز وانکسار ظاہر کرسکتا ہے۔ جبر وتعدی نہیں جو یہ کہا جائے کہ حکم سے انکار کی قدرت کس میں ہے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ کے حکم کے سامنے چون وچرا کرے۔ یہاں محض حکم نہیں بلکہ حفاظت وخیانت کا امتحان مقصود ہے۔

وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ۔ برداشت کرلیا۔ اٹھالیا۔ ذمہ لے لیا انسان نے۔ انسان اس وقت بالکل اعتدالی حالت میں تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ دیگر موجودات سے انکار سرزد ہوگیا ہے۔ ان میں استعداد قابلیت نہیں۔ اس نے رب تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو پہلے دیکھا۔ اس کے بعد اپنی ذاتی قابلیت وصلاحیت پر نظر ڈالی۔ سوچ سمجھ کر آگے بڑھا۔ ہمت وجرأت سے کام لیا۔ اس کی دانش وفہم نے

رب تعالیٰ کی عظمت و عزت کا لحاظ کیا، یہ دیگر موجودات کے مقابل قابلیت کے باوجود کیونکر پیچھے ہٹتا۔ اس نے خود بڑھ کر اوامر و نواہی کے مجموعہ تھپر نامبہم شکل کو اٹھا لیا۔ یہاں ہمت سے مری وہی ہمت مراد ہے جو اہلِ تصوف کی اصطلاح ہے یعنی حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ سب ہی کو لطف و احسانِ خداوندی کا منتظر بنایا۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ ظالم اس کو کہتے ہیں کہ جس کی شان عدل و انصاف کرنا ہو جاہل جس کی شان عالم ہونا ہو۔ انسان ضعیف البنیان نے بڑی ذمہ داری مول لے لی ہے۔ یہ ابھی نسل و تخلیقی دور سے آگاہ و واقف نہ تھا۔ اس کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ مجھ سے غلطی لازمی و ضروری ہے۔ اس کو یہ احساس نہ ہوا۔ کہ قوت بہیمیہ کا تقاضا روح حیوانی کا منشا و رجحانات کیونکر روک سکوں گا۔ عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ ان تمام باتوں کا خیال رکھتا۔ اس کو ابھی دنیاوی کدورتوں، معاملات کی نزاکت و باریکیوں، گمراہی و غلط روی سے واسطہ بھی نہ پڑا تھا کہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس امانت احکامات الٰہی کی حفاظت کر لوں گا۔ ایسی صورت میں یہ ناترس و نادان کہلانے کا مستحق نہیں تو کیا ہے۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ الخ۔ تاکہ عذاب دے اللہ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں کو۔ یہ برداشت و امانت کا اٹھانا اس شرط کے ساتھ تھا کہ اس کی حفاظت میں ثواب اور نافرمانی و عصیان میں سزا ہے اور رحمت دالدے گا اللہ اپنے بندوں پر الخ

اب اس صلاحیت و استعدادِ انسان کے سمجھنے کے بعد، قوی مودعہ سے واقف ہونے کے بعد اس امانت کے برداشت اور دیگر موجودات کا انکار اس سبب و وجہ سے تسلیم کرنا کہ انسان پہاڑ و زمین کی فرع ہے یا جزء ہے بالکل لایعنی سا معلوم ہوتا ہے، یا انسان کو اصل قرار دینا اور دیگر موجودات کو فرع یا جزء بے محل سی دلیل معلوم ہوتی ہے جیسے کہ کتاب مذکور میں لکھا گیا ہے۔ [۵]

البتہ یہ اظہار رائے کسی قدر موزوں معلوم ہوتا ہے کہ بروقت تفویضِ امانت انسان کی اصل جسمانی پیش نظر انسان تھی۔ علم حق میں جو کچھ تعلق ہوا وہ ذات و صفاتِ حق، بشر کی ذات و صفات سے متعلق تھا

---

[۵] احسن التقویم ص ۱۸۰۔